کربلا سے کوفہ تک

اشرف العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ واعظؔ

عصر کا ہنگام ہے، آندھیاں اٹھ کے تھم چکی ہیں، آفتاب کا چہرہ رنج وغم کے گہن سے صاف ہو چکا ہے۔ بہتر لاشیں زخموں سے چور چور گرد وغبار میں غلطاں پڑی ہیں، عمر سعد کو ابن زیاد کی خوشی اتنی ضروری نظر آرہی ہے کہ اس نے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کو بلایا ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کو لے کر رات ہی رات کوفہ پہنچ جائیں۔ یہ دونوں امام مظلوم کا سر لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔ اگرچہ رات ہی کو کوفہ پہنچ گئے۔ لیکن ایسے وقت پہنچے کہ ابن زیاد سو رہا تھا۔ خولی بن یزید امام تشنہ لب کے سر انور کو لے کر اپنے گھر آیا، تنور میں سر پسر فاطمہ زہراؑ کو رکھ دیا، اور خود اپنے بچھونے پر سونے کے ارادہ سے لیٹ رہا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کوئی نئی خبر بیان کر، اس نے کہا نئی خبر یہ ہے کہ میں ایک سال کا خرچ کما کے لایا ہوں۔ یعنی سر حسینؑ کو لے کر آیا ہوں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ لوگ تو سونا چاندی کما کر لاتے ہیں اور تو فرزند نبیؐ کے سر کو لایا ہے۔ یہ کہہ کر وہ پاک طینت عورت اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی اور قریب گئی۔ دیکھا اس کے نیچے سر رکھا ہے۔ وہ حسینؑ کی فدائی سر کے پاس بیٹھ گئی۔ رات بھر وہ امام کی چاہنے والی بیٹھی رہی۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ حسینؑ کے سر سے برابر نور نکلتا ہے اور آسمان تک جاتا ہے۔ اور سفید سفید پرندے حسینؑ کے سر نورانی کے گرد آ آ کے طواف کرتے ہیں۔ رات بھر وہ مومنہ یہی منظر دیکھتی رہی اور روتی رہی۔ صبح ہوئی تو خولی ملعون ابن زیاد کے پاس ذبیح نینوا کے سر مقدس کو لے گیا۔ خولی نے سر حسینؑ تو پہنچا دیا مگر ابن سعد شب بھر کربلا ہی میں رہا۔

گیارہویں محرم کو زوال کے وقت تک وہ کربلا ہی میں تھا۔ اور اپنے لشکریوں کے لاشوں پر نمازیں پڑھ پڑھ کر دفن کرتا رہا۔ ظہر کے بعد اس نے حکم دیا کہ رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو بے چادر و بے مقنع، سر برہنہ، بے نقاب، بے فرش کے اونٹوں پر سوار کریں۔ اور بیمار کربلا کی گردن میں طوق آہنی ڈالا جائے۔ زنجیروں میں ان کو جکڑا جائے اور ترک و دیلم کے قیدیوں کی طرح ان کو کوفہ روانہ کیا جائے۔ جب آل محمدؐ کے قیدی اس حال سے قتل گاہ میں پہنچے ہیں اور لاشوں کو دیکھا ہے تو اپنے اپنے چہروں پر طمانچے لگاتے تھے اور بآواز بلند روتے تھے۔ حضرت امام زین العابدینؑ کا طوق آہنی غلّ جامعہ کے نام سے موسوم ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس طوق کو پہناتے وقت قیدی کے دونوں ہاتھ دونوں سمت سے گردن سے ملا دیئے جاتے تھے۔ اور پھر اس طوق کو پہنایا جاتا تھا۔ اس طوق میں دو طرف زنجیریں ہوتی تھیں۔ داہنے ہاتھ کی طرف کی زنجیر بائیں سمت لائی جاتی تھی اور بائیں طرف کی داہنی طرف تو قیدی کے دونوں ہاتھ بھی گردن سے مل کر بندھ جاتے تھے۔ مگر وہ دونوں طرف کی زنجیریں یا تو آکڑے پگھلا کر باہم پیوست کی جاتی تھیں۔ یا دونوں زنجیروں کے سرے ملا کر ایک کو دوسرے کے حلقہ میں ٹھونک پیٹ کر پیوست کر دیتے تھے۔ غل جامعہ کی اس تشریح کو پیش نظر رکھئے اور بیمار کربلا کی قید کی سختی تصور کیجئے۔ اور تھوڑی دیر کے لئے نہیں کربلا سے کوفہ تک ہی نہیں، بلکہ شام تک اور دربار یزید میں بھی آپ دیکھیں تو بیمار امامؑ اسی طوق آہنی میں نظر آئے گا، جس میں امام کے دونوں ہاتھ گردن سے زنجیروں میں

جکڑے ہوئے تھے۔ اور آپ کو یزید یہ حکم دیتے ہوئے ملے گا کہ سید سجادؑ کی زنجیریں سوہان سے کاٹ دی جائیں۔ شمع انصاف کے پروانے یہی سخت ترین مظالم دیکھتے ہیں تو ابر باراں کی طرح روتے ہیں اور شعلۂ غم سے شمع کی طرح گھلتے ہیں اور آتش محبت میں ان کے دل پروانوں کی طرح جلتے ہیں۔

شیخ ابن قولویہ قمی نے حضرت سید سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے زائدہ سے فرمایا کہ عاشورے کے دن ہم پر عظیم ترین مصیبتیں پڑیں۔ ہمارے پدر بزرگوار مار ڈالے گئے، اور وہ لوگ کہ جو ہمارے پدر عالی مقدار کے ساتھ تھے، قتل کئے گئے، سب بھائی، اولاد اور کل اہل بیتؑ میں کوئی نہ رہا تو اہل حرم کو اسیر کیا۔ اونٹوں پر سوار کیا۔ کوفہ لے چلے۔ تو اس وقت ہماری نظر اپنے پدر اور تمام اہلبیتؑ کی لاشوں پر پڑی۔ ان کی لاشیں خاک وخون میں بھری ہوئی زمین پر پڑی تھیں۔ ان کو کسی نے دفن نہ کیا تھا۔ یہ مصیبت دیکھ کر مجھ کو بہت سخت صدمہ ہوا۔ میری سانس سینے میں گھٹنے لگی۔ اور ایسی کیفیت رنج وغم سے طاری ہوگئی تھی کہ قریب تھا کہ روح جسم سے نکل جائے۔ جب میری ایسی حالت پھوپھی جناب زینبؑ نے دیکھی تو فرمانے لگیں کہ میں یہ کیسی حالت تمہاری دیکھ رہی ہوں۔ اے میرے ماں باپ اور بھائیوں کی یادگار میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اپنی جان دے دو گے۔ میں نے کہا کہ اے پھوپھی کیوں میں بے قرار و مضطرب نہ ہوں، جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے سید و آقا کی لاش میرے بھائیوں اور چچاؤں اور چچازاد بھائیوں کی اور میرے خاندانی افراد کی لاشیں خون میں ڈوبی ہوئی بیابان میں پڑی ہیں، ان کے جسم برہنہ اور بے کفن ہیں اور کسی نے ان کو دفن بھی نہیں کیا ہے۔ کوئی ان کے دفن کرنے پر متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ گویا یہ لوگ ان کو مسلمان بھی نہیں سمجھتے ہیں۔

روایت کا تتمہ ابھی باقی ہے۔ مگر میں اس جگہ پر یہ بات بغیر لکھے آگے نہیں بڑھوں گا، امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اور بھی ان کے رفقاء شہید ہوئے تھے۔ اور ان کی بھی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان کو بھی کسی نے دفن نہیں کیا تھا۔ مگر جناب سید سجاد علیہ السلام ان کا ذکر نہیں فرماتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عمر سعد کی فوج نے امام حسینؑ اور ان کی اولاد اور قریب ترین رشتہ داروں کے جسم کا لباس بھی لوٹ لیا تھا۔ اور اصحاب امام مظلوم کی لاشوں کا لباس ان کے جسموں پر چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ بتاتی ہے کہ ان لٹیروں کو اس حد پر امام اور ان کے اقارب وخاندانی افراد سے عداوت تھی کہ اس موقع پر بھی امام اور ان کے کنبہ والوں پر سب سے زیادہ ظلم کرنے کا جذبہ ان کے سخت دلوں میں شعلہ فشانی کر رہا تھا اور ممکن تھا کہ اس وجہ سے بھی حرم محترم امام حسینؑ کو یہ سخت دل دشمن قتل گاہ سے کوفہ کی طرف لے کر چلے ہوں کہ اپنے عزیزوں کی خاک وخون میں آغشتہ لاشیں بھی دیکھ کر ان کے دلوں سے رنج والم کے تیر پار ہوں اور جب یہ احساس ہو کہ صرف ہمارے ہی وارثوں اور عزیزوں کی لاشیں بھی عریاں پڑی ہیں تو حرم محترم امام بیکس صدمہ کی شدت میں مرجائیں یا قریب مرنے کے پہنچ جائیں۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ کو ایسا ہی صدمہ ہوا۔ اور جناب زینبؑ نے محسوس فرمالیا اور یوں اس بیمار کربلا کے دل پر سے اس صدمہ کی گرانی کو ہٹایا۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ یہ دردناک منظر دیکھ کر تم رنجیدہ اور بیقرار نہ ہو خدا کی قسم جناب رسولؐ خدا نے تمہارے دادا اور پدر اور چچا سے عہد کیا ہے اور رسولؐ خدا نے تمہارے دادا اور باپ اور چچا کے مصائب کی خبر دی ہے۔ اور وہ عہد یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس امت میں سے ایک گروہ سے پیمان لے لیا ہے، جن کو فراعنۂ زمین نہیں پہچانتے ہیں۔ مگر وہ آسمانوں میں مشہور ومعروف ہیں۔ وہ ان شہداء کے اعضائے متفرق کو جمع کریں گے اور ان جسموں کو جو اپنے خون میں تڑپ چکے ہیں، دفن کریں گے اور زمین طف میں تمہارے باپ کی قبر پر ایک علامت کو نصب کریں گے۔ جو کبھی برطرف اور زائل نہ ہوگی۔ راتیں گزریں گی زمانہ گزرے گا مگر وہ نشان نہ مٹے گا۔ لوگ ہر طرف سے زیارت کو اس کی قبر پر آئیں گے اور زیارت کریں گے۔ لاکھ لاکھ کافر بادشاہ اور

ظالموں کے مددگار اس کی قبر کا نشان مٹانے کی کوشش کریں گے مگر بجائے مٹنے کے نشان قبر اور زیادہ ظاہر ہوتا جائے گا اور رفعت و بلندی اس کی بالاتر ہوتی جائے گی۔

جس وقت جناب زینبؑ نے حضرت امام زین العابدینؑ کو یہ حدیث سنائی اس وقت آپ کا دل ٹھہرا۔ بعض ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ خیموں میں آگ لگائی اور اہل حرم کا خیموں سے باہر نکلنے کا واقعہ عاشورا کے دن ہوا۔ بہرحال امام حسینؑ کا سر مقدس تو عاشور ہی کے دن روانہ کیا جاچکا تھا اور دوسرے شہداء کے سر گیارہویں تاریخ کو شمر و قیس و عمر بن حجاج اور قبائل کندہ و ہوازن و بنی تمیم و بنی اسد و مذحج کے لوگوں پر عمر نے تقسیم کردیئے تھے۔ اور خود بھی گیارہویں کو مع لشکر و اسیران کربلا کوفہ روانہ ہوا تھا۔

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں جناب زینبؑ کا اپنے بھائی کی لاش پر رونا نہیں بھولتا۔ وہ معظّمہ بصدائے حزین و دل پر درد کہتی تھیں: **یا محمداہ صلی اللہ عَلیک مَلِیکُ السماء** یہ آپ کا حسینؑ ہے کہ جس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہیں اور اپنے خون میں آغشتہ ہے یہ آپ کی بیٹیاں ہیں جو اسیر ہیں۔ ہائے محمدؐ فریاد کو پہنچئے۔ یہ آپ کا حسینؑ ہے، جس کو اولاد زنا نے قتل کیا ہے۔ اور اس کا جسد خاک پر پڑا ہوا ہے۔ اور باد صبا اس پر خاک چھڑک رہی ہے۔ ہائے کیا سخت یہ غم و اندوہ ہے کہ حسینؑ دنیا سے کیا گئے کہ گویا میرے نانا رسولؐ خدا نے وفات کی۔ اے اصحاب محمدؐ یہ تمہارے پیغمبرؐ کی ذریت ہے۔ جو مثل قیدیوں کے ہے۔ اے محمدؐ یہ آپ کا حسینؑ ہے کہ جس کے سر کو پس گردن سے جدا کیا ہے اور عمامہ و ردا کو اس کے لوٹ لیا ہے۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جس کے جسم کو عریاں کردیا۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جس کے لشکر کو دوشنبہ کے دن لوٹ لیا۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جو دنیا سے غم و غصہ کی حالت میں چل بسا۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جو تشنہ لب شہید کیا گیا۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جس کی ریش مقدس خون آلودہ ہے، اور خون کی بوندیں اس سے ٹپکتی ہیں۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جس کے نانا محمد مصطفیؐ ہیں۔ میرا باپ اس پر فدا ہو کہ جو مسافر اب ایسے سفر میں گیا ہے کہ اس کی واپسی کی امید نہیں۔ اور وہ ایسا زخمی ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا اپنے بھائی پر بین کرکر کے روتی تھیں اور سننے والے دوست دشمن آپ کے رونے پر روتے تھے۔

روایتیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سکینہؑ نے بھی اپنے پدر بزرگوار کی نعش کو آغوش میں لے لیا۔ اور اس طرح روتی تھیں اور فریاد کرتی تھیں کہ سنگ خارا کا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوتا تھا۔ جناب سکینہؑ مسلسل روتی تھیں، کسی طرح اپنے پدر مظلوم کی نعش سے اٹھتی نہ تھی۔ یہاں تک کہ روتے روتے جناب سکینہؑ پر بے ہوشی سی طاری ہوگئی۔ اسی حالت غشی میں حضرت سکینہؑ نے امام حسینؑ کو یہ شعر پڑھتے سنا۔

شیعتی ما ان شربتم ماءَ عذب فاذکرونی

اِذ سَمِعتُم بغریب او شهیدٍ فاندبونی

یعنی اے میرے شیعوں جب تم شیریں و سرد پانی پینا تو مجھ کو یاد کرنا اور جب کسی مسافر و شہید کے حال کو سننا تو مجھ کو رولینا۔

جناب سکینہؑ کسی طرح اپنے پدر بزرگوار کی نعش کو نہ چھوڑتی تھیں اور برابر روئے جاتی تھیں کہ کچھ لوگوں نے اس مظلومہ سے امام تشنہ لب کے جسد بے سر کو زبردستی لے لیا۔

اہلبیتؑ امام حسینؑ کوفہ میں

آخر اہل بیت امام حسینؑ کربلا سے کوفہ کے نزدیک پہنچے۔ جب ابن زیاد کو ان قیدیوں کا کوفہ کے قریب پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے حکم دیا کہ وہ سب سر شہدائے کربلا کے جن کو ابن سعد پہلے سے ہی بھیج چکا تھا۔ شہر کے باہر لے جائے جائیں، ان کو نیزوں پر نصب کرکے اہل حرم کے پہلو بہ پہلو رکھیں۔ ان شہیدوں کے سروں کو ان کے ساتھ شہر کے اندر لائیں۔ ہر گلی ہر بازار میں دونوں ساتھ ساتھ پھرائے جائیں تاکہ لوگوں کو سلطنت یزید کا قہر و غلبہ معلوم ہو اور ان کے دلوں پر زیادہ سے زیادہ ہیبت بیٹھے۔ جب کوفہ کے باشندوں نے اہل حرم امام مظلوم کے آنے

کی خبر سنی دوڑتے ہوئے باہر شہر کے جانے لگے۔

شیخ علامہ جلیل القدر حاجی ملّا احمد نراقی عطر اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب سیف الامتہ میں کتاب ارمیائی پیغمبرؑ سے نقل کیا ہے کہ کتاب ارمیائی کے فصل چہارم میں سیدالشہداؑ کے مصائب بیان کئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کیا ہوا؟ یہ کیسا حادثہ ہوگیا؟ یہ کیوں عمدہ ترین سونے کا رنگ کالا ہوگیا اور عرش خدا کی بنیاد کے پتھر منتشر ہوگئے؟ اور کیوں بیت المعمور کے وہ فرزند کہ جن کی زینت اس سونے سے ہوئی تھی۔ کہ سب سونوں سے پہلے پیدا ہوا تھا، اور تمام مخلوقات سے وہ فرزندان بیت المعمور نجیب تر تھے مثل اس مٹی کے آبخورے کے ہوگئے جن کو کمہار بناتا ہے۔ حیوانات تو اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور وہ بیابان میں قید کئے جائیں۔ ان کی حالت خشک لکڑی کی سی ہوجائے۔ امت کی سخت دلی و بے رحمی کم نہ ہو۔ یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے شیر خوار بچے کی زبان اس کے تالو سے چمٹ جائے۔ سب لڑکے بھوک سے روٹی مانگیں، لیکن ان کے بزرگ مار ڈالے جاچکے ہوں اور کوئی ان کو روٹی نہ دے۔ وہ لوگ کہ جو دسترخوان عزت پر نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتے تھے راستہ گلی کوچوں میں ہلاک کئے جائیں۔ ان لوگوں کی غربت پر افسوس، ان لوگوں کا دنیا سے اٹھ جانا قوم سدوم سے بھی زیادہ اندوہناک ہے۔ کیونکہ یہ لوگ پاکیزگی و عصمت میں مقدس تھے۔ برف سے زیادہ سفید، دودھ سے زیادہ خالص، یاقوت سے زیادہ درخشاں تھے، مگر ان کو اسیر کیا گیا۔ ان کے چہرے زمانے کی مصیبتوں سے متغیر ہوگئے۔ اور اتنے متغیر کہ گلی کوچوں میں ان کو دیکھنے والے پہچانتے نہیں۔ ان کی کھالیں ان کی ہڈیوں سے چپک گئی تھیں۔

سطور مذکورہ میں اگرچہ امام حسینؑ کے مصائب کی مکمل تصویر ہے مگر مجھ کو اہل حرم امام کی اسیری کے سلسلہ میں اس کے آخری جملہ کی طرف توجہ دلانا ہے کہ لوگ ان کو پہچانتے نہ تھے۔ اس جملہ میں اہل حرم کے کوفہ وارد ہونے کا حال سمو دیا گیا ہے۔ میں اس آخری جملہ کے مفہوم کی توضیح کے لئے پھر اہل بیت امام حسینؑ کے کوفہ میں آنے کا حال اسی جگہ سے لکھتا ہوں۔ جہاں تک تحریر میں لاچکا ہوں یہ تو میں لکھ ہی چکا ہوں کہ ورود آل رسولؐ کی خبر سن کر اہل کوفہ شہر کے باہر دوڑتے جانے لگے۔ اب میں بالکل اختصار کے ساتھ مغز روایت مسلم گچگار بھی لکھتا ہوں کہ وہ کتاب ارمیاء کے مضمون نقل شدہ کے اس آخری فقرہ کی درحقیقت توضیح ہے۔

مسلم گچگار قصر ابن زیاد کی تعمیر میں مصروف تھا یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شور وغل کی آواز سنی۔ اس وقت میں نے ابن زیاد کے خادم سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ ایک خارجی کا جس نے یزید پر خروج کیا تھا سر آرہا تھا۔

مسلم کہتا ہے کہ میں نے کہا وہ خارجی کون تھا۔ جواب ملا حسین ابن علیؑ۔ مسلم کا کہنا ہے کہ میں نے یہ سن کر بڑا صبر کیا۔ جب وہ چلا گیا، اس وقت میں نے اپنے منھ پر اتنے طمانچے مارے کہ قریب تھا کہ اس کی اذیت سے میری آنکھیں جاتی رہیں۔ پھر میں ہاتھ منھ دھوکر پشت قصر سے باہر نکلا۔ محلہ کناسہ میں پہنچا۔ وہاں لوگ اسیروں کے آنے کے منتظر تھے۔ اتنے میں اسیروں کا قافلہ دکھائی دیا چالیس محملوں اور ہودجوں میں عورتیں بیٹھی اور ایک برہنہ اونٹ پر علیؑ ابن الحسینؑ زنجیروں میں جکڑے بیٹھے تھے اور زنجیروں کی رگڑ سے آپ کی گردن سے خون بھی بہہ رہا تھا، وفور غم وشدت رنج والم سے چند شعر پڑھتے جاتے تھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ؎

اے بدکار امت! کبھی خداوند عالم تم کو نیکی نہ دے۔ تم نے ہمارے نانا اور ان کے حقوق کی کوئی رعایت نہ کی۔ اور جب ہم اور تم قیامت کے دن ان کے پاس پہنچیں گے تو تم کیا جواب دوگے۔ ہم کو برہنہ اونٹوں پر سوار کیا۔ اور قیدی بنا کر ہم کو لئے جارہے ہو۔ گویا ہم نے تمہارے دین کا کوئی کام نہیں کیا ہے اور ہمارے بارے میں تم نامناسب باتیں کہتے ہو۔ اور اپنے ہاتھوں سے تم ہم کو اذیت دیتے ہو۔ ہم کو قتل کرکے خوش ہوتے ہو۔ تم پر افسوس ہے کیا تم نہیں جانتے ہو کہ ہمارے نانا رسولؐ خدا ہیں تم نے

کربلا میں ہمارے ساتھ وہ سلوک کیا کہ کبھی ہم کو چین نہ ملے گا۔

مسلم کا بیان ہے کہ ایک طرف اہل حرم کے بچوں کی ایسی دردناک حالت تھی کہ کوئی ان کو دیکھ دیکھ کر روتے تھے اور ان پر رحم کرکے روٹی خرمے آخروٹ ان کے لئے لاتے تھے۔ وہ بھوکے بچے لے لیتے۔ جناب ام کلثومؑ روٹی کے ان ٹکڑوں خرموں اور آخروٹوں کو بچوں کے ہاتھ اور منہ سے نکال کر پھینک دیتی تھیں۔ پھر اہل کوفہ کو ڈانٹ کر فرماتی تھیں کہ اہل کوفہ صدقہ ہم اہلبیتؑ پر حرام ہے۔ ان حالات کو کوفہ کی عورتیں دیکھ کر زار زار روتی تھیں۔ تو ام کلثومؑ سر محمل سے نکال کر فرماتی تھیں کہ اے اہل کوفہ تمہارے مردوں نے ہمارے مردوں کو قتل کیا اور عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان خداوند عالم روز قیامت انصاف کرے گا۔ ابھی ام کلثومؑ اپنی بات ختم کرنے نہ پائی تھیں کہ شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔ دیکھا تو شہداء کے سر نیزوں پر بلند کئے ہوئے لائے جارہے ہیں۔ اور سب کے آگے امام حسینؑ کا سر نیزے پر نصب ہے۔ آپ کے سر مبارک سے روشنی نکل رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے رسولؐ خدا کا سر انور ہے۔ آپ کی ڈاڑھی کا رنگ مشک کے رنگ کا سا تھا۔ مگر ڈاڑھی کے بالوں کی جڑیں کچھ سفید دکھائی دے رہی تھیں۔ کیونکہ وہاں سے خضاب کا اثر جاتا رہا تھا۔ غرضیکہ چہرۂ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

جناب زینبؑ کی نگاہ جب سر مبارک پر پڑی مقدم چوب محمل پر آپ نے اپنا سر پٹک دیا۔ آپ کے سر سے خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ پر اتنی رقت طاری ہوئی اور آتش غم سے دل جگر کباب ہوا کہ چاہنے والی بہن نے بھائی کے غم میں بطور نوحہ چند اشعار نظم کئے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یاهلا لاً لما استتم کمالهٔ
غاله خسفه فابدا غروبا

یعنی اے ہلال فلک امامت تو ابھی کمال کو بھی نہ پہنچا تھا کہ گہن لگ گیا اور پھر غروب ہوگیا۔ اے میرے مہربان بھائی! فاطمہ اپنی یتیمہ کو بلاؤ اور اس کے دل کو تسکین دو اور اپنے فرزند بیمار و ناتواں علیؑ کی خبر لو۔ ان کا جسم دشمنوں کے ستم سے زخمی اور دل مجروح ہوگیا ہے۔

فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ کی بیٹی کے اس نوحہ سے حسرت و افسوس کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ اور تماشائیوں کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہنے لگے۔

ایک لاکھ تماشائیوں کا مجمع ہے۔ اسیران آل محمدؐ کا قافلہ گزر رہا ہے۔ کوئی خوش ہو رہا ہے، کوئی رو رہا ہے، بازار، سڑکیں، گلیاں بھری ہوئی ہیں۔ کوٹھے عورتوں سے چھلک رہے ہیں کہ اسی عالم میں کسی عورت نے اپنے کوٹھے پر سے پوچھا کہ تم کس خاندان اور کس ملک کے قیدی ہو۔ اہل حرم میں سے کسی بی بی نے کہا کہ ہم آل محمدؐ ہیں جو قیدی بنائے گئے ہیں۔ جیسے ہی اس نے یہ سنا وہ اپنے کوٹھے سے اتری جتنی چادریں اور مقنع اس کے پاس تھے، سب لے آئی اور اہل بیتؑ کو تقسیم کردیں۔ آل رسولؐ نے وہ سب چادریں اور مقنع اس سے لے کر اوڑھیں اور مقنعوں سے چہرے چھپائے۔

جناب مجلسی نے اس روایت کو لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میں نے اس کو معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے۔ مگر متاخرین علماء میں بعض کا خیال ہے کہ شیخ مفید و محقق طوسی کی روایت جس کے راوی بشیر بن جذلم ہیں۔ بس وہی معتبر ہے میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ اس روایت کو غیر معتبر سمجھتے ہیں تو سب سے زیادہ قوی روایت اس کی یہ ہے کہ اس روایت میں چالیس محملوں میں اہل حرم کے بیٹھنے کا ذکر ہے۔ اور جذلم کی روایت میں یہ ہے کہ اہلبیتؑ کو بے محمل اور برہنہ اونٹوں پر کوفہ میں لائے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ جب مسلم گچگار نے اسیروں کے قافلہ کو دیکھا تو اس وقت آل رسولؐ محملوں میں ہوں۔

مگر جب شمر و عمر سعد نے تماشائیوں کے مجمع کو متاثر ہوتے دیکھا ہو تو جس طرح اور مظالم اہل بیت پر اپنا رعب بٹھانے کے لئے یہ دشمن خدا کرتے تھے یا صرف ابن زیاد کی خوشی کے لئے محملوں سے اہل بیت کو اتار کر برہنہ اونٹوں پر بٹھا دیا

ہو۔ اور یہ بدسلوکی اس موقع پر اس لئے بھی کی ہو کہ اہلبیتؑ کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچے۔ اور ذلت ورسوائی ہو۔ ایسے امور وقت وموقع پر شرارت پسندوں کے ذہن میں آجاتے ہیں۔ جن کا پہلے سے دوسرے منصوبوں میں دھیان ہونے کی وجہ سے خیال اس وقت نہیں ہوتا ہے لیکن اس وجہ سے اس روایت کو کمزور بتانا کہ جناب زینبؑ کے صبر کے منافی ہے کہ وہ معظّمہ چوب محمل پر سر اپنا پٹک دیں۔ تو اس سے بے صبری تو نہیں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تو بھائی بہن کا انتہائی محبت کا مظاہرہ ہے۔

جب ابن زیاد کا لشکر اہل بیت کو محاصرہ میں لئے ہوئے شتران برہنہ پر سوار کئے کوفہ میں لائے تو کوفہ کی عورتوں نے ان کا یہ حال دیکھ کر رونا شروع کیا۔

امام زین العابدینؑ نے تو بہ سبب ضعف و ناتوانی اور بجہت گرانی طوق وزنجیر کے خفیف آواز میں بس اتنا ہی فرمایا کہ یہ عورتیں ہم پر روتی ہیں پھر ہم کو قتل کس نے کیا ہے۔ مگر جناب زینبؑ نے تقریر شروع کردی۔

جذلم کہتا ہے قسم خدا کی میں نے زینبؑ دختر علیؑ کو شرم و حیاداری کے ساتھ ساتھ اس وضاحت وروانی سے خطبہ کہتے سنا ہے کہ کوئی عورت ان پابندیوں کے ساتھ خطبہ نہیں کہہ سکتی ہے۔

وہ کہتا ہے کہ زینبؑ اس وقت اپنے بلند مرتبہ باپ کی طرح بول رہی تھیں۔ اور امیرالمومنینؑ کے کلمات زبان سے ادا کررہی تھیں۔ جب کہ ہر طرف اژدحام تھا، ہر طرف آوازیں بلند تھیں، اس وقت جناب زینبؑ نے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ بس فوراً خاموشی پورے ہجوم پر چھا گئی۔ اور سانسیں سینوں میں رک گئیں، گھنٹوں کی آوازیں بند ہوگئیں۔

جناب زینبؑ نے بعد حمد خدا اور تعریف شاہ لولاک کے فرمایا کہ اے اہل کوفہ! اے مکارو! اے کمینو! تم ہم پر روتے اور آنسو بہاتے ہو۔ تمہاری آنکھوں کا آنسو کبھی نہیں تھمے گا۔ اور تمہارا چیخ چیخ کر رونا کبھی نہیں رکے گا۔ تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنے دھاگے کو مضبوط بٹتی ہے۔ پھر اس کے بل کھول دیتی ہے۔ تم نے بھی ایمان کے دھاگے کو بٹ کر گرہ لگائی۔ پھر تم نے اس دھاگے کو توڑ ڈالا۔ اور اپنے کفر پر پلٹ گئے۔ تم لوگوں میں بس یہی صفت وخصلت ہے کہ شیخی مارتے ہو۔ اور اپنے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہو۔ دشمنی، جھوٹ بولنا، کنیزوں کی طرح چاپلوسی، دشمنوں کے مانند غمازی کرنا تمہاری عادت ہے۔ تم اس سبزے اور گھاس کی طرح ہو جو کوڑے کے ٹیکرے سے پرا گا ہوا اور اس چونے کے مثل ہو جس سے کسی قبر پر کہگل کی گئی ہو۔ تم نے آخرت کے لئے کیا برا توشہ ذخیرہ کیا ہے۔ تم پر خدا کا غیظ ضروری ہوگیا ہے۔ تم نے ہمیشہ کے لئے دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنالیا ہے۔ پہلے تو ہم کو مار ڈالا، اب ہم پر روتے ہو۔ تم اسی کے لائق ہو کہ رویا ہی کرو۔ بہت روؤ اور کم ہنسو۔ کیونکہ تم نے ذلت ورسوائی اور عیوب سے اپنے صحن خانہ کو لیپا ہے۔ اور اس کی گندگی کسی پانی سے دھوئی نہیں جاسکتی اور کیوں کر دھوئی جاسکے۔ اور کس طرح اس جرم کی تلافی ہو، تم نے خاتم انبیاء کے کلیجے کے ٹکڑے کو قتل کرڈالا، تم نے سردار جوانان جنت کو مار ڈالا۔ تم نے نیک چلن لوگوں کے پناہ کو ذبح کرڈالا۔ تم نے بلاؤں اور مصیبتوں میں جس کے دامن میں خوف سے چھپتے تھے، اس کو قتل کرڈالا۔ جو تمہاری کشادہ راہوں کی علامت ونشان تھا اس کو شہید کرڈالا۔ جو تمہاری دلیلوں کو روشن کرتا تھا جو تمہارا نگہبان اور تمہاری حجتوں کا بیان کرنے والا تھا۔ جس کے پاس تم ہر حادثہ میں پناہ لیتے تھے جس سے تم دین وشریعت کی باتیں سیکھتے تھے، اس کو مار ڈالا۔ خبردار رہو تم نے بہت بڑا گناہ روز حشر کے لئے اپنے واسطے مہیّا کیا ہے۔ تم ہمیشہ ہلاکت میں پڑے رہو۔ تم منہ کے بل عذاب میں گرو۔ تم اپنی سعی وکوشش سے ناامید ہوجاؤ۔ تمہارے ہاتھ کٹ کے گر پڑیں۔ تمہارے وعدے عہد و پیمان تم کو گھاٹے اور نقصان کے سوا کچھ نہ دیں۔ بیشک تم نے خداوند عالم کے غضب کی جانب بازگشت کی۔ محتاجی وذلت نے تم کو گھیر لیا ہے۔ تم پر افسوس ہے۔ تم جانتے ہو کہ تم نے رسولؐ خدا کے کس جگر کے ٹکڑے کو چاک کیا۔ اور پیغمبر کے کس خون کو بہایا۔ اور کن پردہ داران عصمت کو

بے پردہ کیا۔ کتنا تم نے سخت مشکل اور عجیب یہ کام کیا، نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائے، زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں، پہاڑ پرزے پرزے ہوجائیں۔تم نے یہ ایسا بدترین اور لغو کام کیا ہے کہ جس کی تاریکی نے آسمان و زمین کو گھیر لیا۔تم تعجب کرتے ہو کہ تمہارے اس اقدام ظلم پر آسمان سے خون برسا (یہ تو دنیا میں خون ناحق کا اثر دیکھا) آخرت میں اس سے بھی زیادہ اس جرم کے پاداش میں اثرات دیکھوگے۔ اور ذلیل تر ہوگے۔ اس مہلت پر مغرور اور خوش نہ ہو۔ خدا بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا۔ خدا کو یہ ڈر نہیں ہے کہ انتقام کا وقت گزر جائے گا۔ بیشک وہ گنہگاروں کی تاک میں رہتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ جناب زینبؑ یہ خطبہ دے کر خاموش ہوئیں تو کوفے والے دریائے حیرت میں غرق تھے۔ روتے جاتے تھے اور دانتوں سے اپنے ہاتھوں کی بوٹیاں کاٹتے تھے اور میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھے آدمی کے چہرے اور اس کی ڈاڑھی کے بالوں پر اس کی آنکھوں کے آنسو بہہ رہے ہیں اور ایک شعر اس کی زبان پر جاری تھا۔

صاحب 'احتجاج' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ پھوپھی اب خاموش ہوجایئے۔ گذشتہ واقعات سے موجودہ زمانہ کو چشم عبرت سے دیکھئے اور میں خدا کی حمد کرتا ہوں کہ آپ ایسی عالمہ ہیں کہ جس کو کسی معلم نے سبق نہیں دیا ہے۔ اور آپ ایسی عقیلہ و دانا ہیں کہ جس نے مکتب میں پڑھنے کی مشقت نہیں اٹھائی ہے۔ اور آپ تو جانتی ہی ہیں کہ بعد مصیبت فریاد کرنا مفید نہیں اور آہ و زاری دنیا سے جانے والے کو واپس نہیں لاسکتی۔

سید ابن طاؤس اس خطبہ کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ جناب زینبؑ کے اس خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ چیخ چیخ کر لوگ روتے تھے۔ عورتوں نے اپنے بالوں کو پریشان کردیا۔ خاک اپنے اپنے سروں پر ڈالتے تھے۔ اپنے چہروں کو اپنے ہاتھوں سے زخمی کرتے تھے۔ اپنے اپنے منھ پر طمانچے مارتے تھے کہ نشان پڑ گئے تھے۔ مرد اپنی ڈاڑھیاں نوچتے تھے اور روتے تھے۔ اور اس دن کوفہ میں مرد و عورت مل کر ایسا روئے کہ کبھی یوں مردوں اور عورتوں نے مل کر گریہ نہ کیا ہوگا۔

یہ تو میں لکھ چکا کہ جناب زینبؑ نے خطبہ حضرت سجادؑ کے کہنے سے ختم کیا۔ مگر خطبوں کا سلسلہ پھر بھی جاری رہا۔ جناب زینبؑ کے خطبے کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی نے خطبہ کا آغاز کیا۔ جناب فاطمہؑ بنت الحسین علیہ السلام کا خطبہ بھی بہت طولانی ہے۔ معرفت و توحید و نبوت کے جواہرات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ دین اسلام کی حقانیت رسولؐ کی نبوت، اہلبیتؑ کی عصمت و ولایت و وصایت اور امامت و خلافت کے ثبوت کا گرانمایہ گنجینہ ہے۔ امام حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ کی بیکسی و مظلومی کا المناک مرقع ہے۔ ظالموں اور قاتلوں کے حیرت انگیز مظالم اور ان کے بدترین نتائج کا صحیح نقشہ ہے۔ آپ کے خطبۂ فصیح و بلیغ کے آخری کلمات یہ ہیں:-

اے فخر کرنے والو! تمہارے منھ میں خاک۔ تم لوگ ان لوگوں کو قتل کر کے فخر کرتے ہو جن کی تعریف خداوند عالم نے کی ہے جن کو ہر شک اور گناہ سے پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ تم بھی اپنے باپ دادا کی طرح کافر ہو۔ تم اپنے کردار پر نظر کرو، اپنے انجام پر روؤ۔ تم نے ہماری عظمت و جلالت پر حسد کیا۔ ہمارے فضل و شرف کو دیکھ کر تم کو تاب نہ رہی۔ مگر یہ سمجھ لو کہ یہ سب خدا کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ جس کو خدا نے اپنا نور عطا نہیں کیا، وہ دنیا و آخرت میں بے نور ہے۔

حسینؑ کی دل جلی بیٹی کے اس خطبہ سے کہ جس کی ہر سطر ہر لفظ بلکہ ہر حرف غم و الم کی ایسی چنگاری تھا کہ سننے والوں کے دل و جگر کیسے، سننے والے کی روح تک جل اٹھی تھی، ہر شخص چیخ چیخ کر رونے لگا۔ اور ہر در و دیوار ہر ذرّہ کوچہ و بازار سے نوحہ و ماتم کی آواز بلند ہوئی اور سب کے سب کہنے لگے: ''اے معصومینؑ اور پاکیزہ لوگوں کی بیٹی! اب کچھ نہ کہئے۔ ہمارے دل جل رہے ہیں۔ ہمارے سینوں میں افسوس و حسرت کی آگ بھڑک رہی

ہے۔ ہمارے دل جل جل کر کباب ہو گئے ہیں۔''

اس کے بعد جناب ام کلثومؑ حضرت علیؑ کی چھوٹی بیٹی نے فرمایا کہ:-

اے اہل کوفہ تم تباہ و برباد ہو۔ تمہارے منہ کالے ہوں۔ ارے تم نے کیوں میرے بھائی کو بلایا اور کیوں مدد نہ کی۔ پھر ان کو قتل بھی کیا۔ اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا۔ اور ان کے اہلبیتؑ عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ تم نے بڑے محترم خون بہائے۔ رسولؐ خدا کے بعد جو سب لوگوں سے بہتر تھا، اس کو تم نے قتل کر ڈالا۔ تمہارے دلوں میں رحم نہ رہا۔ یہ تم نے کیسے ظلم و ستم کئے۔ یہ تم نے کتنے بڑے گناہوں کو اپنی پیٹھ پر لا دلیا۔ خدا کے دوست ہمیشہ تم پر غالب رہیں گے۔ اور شیطان کے مددگار ہمیشہ نقصان میں رہیں گے۔ تم لوگوں نے رسولؐ کی بیٹیوں کو رلایا اور ان کو لوٹا۔

اس کے بعد جناب ام کلثومؑ نے کچھ شعر اس وقت نظم فرما کے پڑھے۔ جن کو سن کو لوگ بیتابانہ رونے لگے۔

پھر جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے اشارے سے سب کو چپ کیا۔ وہ لوگ بھی چپ ہوئے۔ جو رو رہے تھے، وہ بھی چپ ہو گئے۔ جو خوشی کے باجے بجا رہے تھے وہ بھی خاموش ہو گئے۔

جب کوفہ کے بازاروں میں سناٹا چھا گیا۔ سید سجادؑ نے خطبہ پڑھنے سے پہلے خدائے یگانہ و یکتا کی حمد و ستائش کی۔ اور محمد وآل محمد پر درود بھیجا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ کو پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے۔ اور جو نہیں پہچانتا ہے وہ پہچان لے کہ میں علیؑ ہوں، حسینؑ کا فرزند ہوں اور پوتا علیؑ ابن ابی طالبؑ کا ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو نہر فرات کے کنارے ذبح کیا حالانکہ اس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی ہتک حرمت کی گئی، جس کا مال و اسباب لوٹا گیا، جس کے اہل و عیال کو اسیر کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں کہ جو صبر کے ساتھ قتل کیا گیا اور یہی میرے فخر کے لئے کافی ہے۔ اے لوگو میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر بھول گئے۔ جب تمہارے بلانے پر وہ جناب تشریف لائے تو ان کو دھوکا دے کر تم لوگ نکل گئے۔ کیا تم اپنے عہد و پیمان فراموش کر گئے اور ان سے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا کر ان کو مار ڈالا اور ذلیل کیا۔ تم نے جو سامان آخرت میں اپنے لئے بھیجا ہے، اس کے سبب تم اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑے ہو۔ تم کیا جواب دو گے جب رسولؐ خدا کہیں گے کہ تم نے میری عترت کو مار ڈالا اور تم نے میری آبرو ریزی کی، تم میری امت میں سے نہیں۔

جناب سید سجادؑ کا یہ کلام سن کر ہر طرف اور ہر جانب سے کوفہ میں رونے کی آواز بلند ہوئی۔ بعض بعض سے کہتے تھے ہم لوگ ہلاک ہو گئے اور ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا اسی عالم میں جناب زین العابدین علیہ السلام نے دوبارہ خطبہ شروع فرمایا۔ ارشاد کیا کہ خدا رحمت نازل کرے اس شخص پر کہ جو میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیت کو راہِ خدا اور راہِ رسولؐ خدا اور اہل بیتِ رسولؐ خدا کے بارے میں یاد رکھے، کیونکہ ہم ہی رسولؐ خدا کے شائستہ متبع ہیں اور نیک پیرو ہیں۔ سب لوگوں نے عرض کی کہ اے فرزند رسولؐ خدا ہم سب آپ کے حکم کو مانیں گے۔ اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہیں گے۔ آپ کی اطاعت سے سر نہ اٹھائیں گے۔ آپ سے ہرگز روگردانی نہ کریں گے۔ آپ جو حکم دیں گے بجالائیں گے۔ جس سے آپ جنگ کریں گے، ہم جنگ کریں گے۔ جس سے آپ صلح کریں گے ہم صلح کریں گے۔ یہاں تک کہ یزید کو گرفتار کریں گے، کیونکہ اس نے آپ پر ظلم کیا اور ہم پر بھی ستم کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ افسوس صد افسوس اے غدارو! اے مکاری کو جمع کرنے والو! بس تم نے مکاری فریب دہی کو اپنی عادت بنا لیا ہے۔ اب میں تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ کیا پھر یہ ارادہ کیا ہے کہ جو میرے باپ دادا سے تم نے سلوک کیا ہے، وہی برتاؤ مجھ سے بھی کرو— حاشا کلا۔ خدا کی قسم ابھی وہ زخم جو میرے باپ کی شہادت سے میرے دل و جگر میں لگے ہیں اچھے نہیں ہوئے ہیں۔ ابھی کل ہی تو تم نے

میرے باپ کو ان کے اہل بیت سمیت شہید کیا ہے۔ ابھی میں جناب رسولؐ خدا اور باپ، بھائیوں کی مصیبتیں نہیں بھولا ہوں۔ ابھی ان کے فراق کا حزن واندوہ میرے حلق کو زخمی کر رہا ہے اور تلخی میرے دہن کو گھس رہی ہے اور رنج وغم کا دریا سینہ میں جوش مار رہا ہے۔ بس ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ نہ تم ہمارے دوست بنو اور نہ فائدہ پہنچاؤ اور نہ دشمن بن کر ضرر پہنچاؤ پھر آپ نے آخر کلام میں کچھ اشعار پڑھے۔

دربار ابن زیاد اور اہل حرم

ادھر اہل بیت امام حسینؑ سر برہنہ بے محمل وعماری کے اونٹوں پر سوار ہیں۔ سید سجادؑ غل جامعہ میں جکڑے ہوئے ساتھ ہیں۔ نیزوں پر شہیدوں کے سر ہمراہ ہیں اور کوفہ کے بازاروں سے تماشائیوں کے مجمع سے ان بیکسوں کو لے جایا جارہا ہے۔ ادھر ابن زیاد کو خبر ملی ہے کہ کربلا سے اسیروں کا قافلہ آپہنچا ہے۔ اس نے اپنے دربار میں حاضر ہونے کا ہر خاص وعام کو حکم دیا۔ سب کے سب اب اس کے دربار میں آکر اکٹھا ہوگئے۔ جب لوگ اچھی طرح جمع ہوچکے، اس وقت اس نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا سر مقدس لایا جائے۔ امام مظلوم کا سر آیا۔ اس شقی کے پاس رکھا گیا۔ جب اس نے رسولؐ کے نواسے کا سر دیکھا تو وہ نام نہاد مسلمان خوش ہوا اور مسکرایا۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی، کچھ کہتے ہیں کہ پتلی تلوار تھی، جو بھی سہی خوش ہونے اور مسکرانے ہی پر اس بے ادب اور سنگدل نے اکتفا نہیں کی۔ بلکہ امام حسینؑ کے اوپر کے دانتوں پر وہ ملعون چھڑی مارتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے حسین تمہارے کیسے خوشنما دانت ہیں اس بے ادبی کے روح فرسا منظر کو بھرا ہوا دربار دیکھ رہا تھا۔ مگر مادی طاقت اور خزانوں کی قوت اور مال وزر کی طمع سے مرعوب ہوجانے والے انسان خاموش تھے۔ کسی میں یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ ابن زیاد کو اس کے ناروا ظلم وستم پر ٹوکے۔ زید بن ارقم بھی اس دربار میں موجود تھے۔ یہ معمر آدمی تھے۔ ان کو رسولؐ سے مصاحبت کا شرف مل چکا تھا۔ اور رسولؐ کو جو حسینؑ سے محبت تھی اس کی انتہا بھی ان کو معلوم تھی۔ اگر چہ انہیں بھی حدیث غدیر کی گواہی دینے میں اپنے ہونٹ سی لینے پڑے تھے۔ اور حضرت علیؑ کی بددعا کے مستحق ہوچکے تھے۔ مگر اس موقع پر یہ بھی چپ نہ بیٹھ سکے۔ کہنے لگے کہ اے پسر زیاد اپنی چھڑی کو ان لبوں سے ہٹالے۔ خدا کی قسم میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جناب رسولؐ خدا ان لبوں کو جہاں تو اپنی چھڑی رکھے ہے چومتے تھے۔ اتنا ہی کہہ کر زید ابن ارقم کے جذبات تھمے نہیں بلکہ اس وقت خدا کی قدرت سے ان پر اتنا اثر ہوا کہ یہ رونے بھی لگے۔ اور بہت روئے۔ ان کے رونے سے ابن زیاد کی خوشی پر برمحل پانی پھر گیا تو وہ دشمن اہل بیت برہم ہوکر زید بن ارقم سے کہنے لگے کہ دشمن خدا! خدا تیری آنکھ کو ہمیشہ رلائے، خدا نے تو ہم کو فتح ونصرت دی ہے اور تو روتا ہے اگر تو انتہائی بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل زائل نہ ہوگئی ہوتی تو میں حکم دے دیتا کہ تیرے سر کو تیرے بدن سے جدا کردیا جائے۔ زید نے جب ابن زیاد کا یہ رنگ دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر چلے گئے۔

ان دونوں کی اس تلخ گفتگو اور زید بن ارقم کے جاتے ہی امام حسینؑ کے اہل حرم ملک روم کے قیدیوں کی طرح اس کے دربار میں لائے گئے۔ جناب زینبؑ شرم وحیا کی وجہ سے اپنی ایسی حالت بنائے ہوئے تھیں کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اور بہت ہی کم قیمت لباس پہنے ہوئے آئی تھیں۔ آپ اپنے کو سب سے چھپائے ہوئے دربار ابن زیاد کے ایک گوشے میں جا بیٹھیں۔ کنیزوں نے چاروں طرف آکر گھیر لیا۔ ابن زیاد کی نگاہ حضرت زینبؑ کے اس طرز عمل پر پڑ گئی۔ فوراً اس نے پوچھا، کونے میں کون عورت جاکر بیٹھی ہے؟ کسی نے کوئی اس کو جواب نہ دیا۔ دوبارہ اس نے پوچھا، پھر جواب نہیں ملا۔ تیسری بار جب پوچھا تو ان کنیزوں میں سے جو حضرت زینبؑ کو اپنے گھیرے میں لئے تھیں کسی نے کہا کہ یہ جناب زینبؑ فاطمہ زہراؑ کی بیٹی، رسولؐ خدا کی نواسی ہیں۔

واقعہ کربلا سے لے کر کوفہ تک اور کوفہ سے لے کر شام تک کے ہر واقعہ کو گہری نظر سے دیکھنے اور سننے اور لکھنے کی اہم ضرورت ہے۔ کیونکہ ۶۱ھ کے سب واقعات جن کا تعلق حسینؑ کی ذات سے، حسینؑ کے اہل حرم سے، حسینؑ کے اصحاب سے ہے، سب میں خدا کی توحید محمدؐ کی نبوت، علیؑ کی ولایت و امامت، اہلبیتؑ اور قرآن کی معیت کا حقیقی اور باطل شکن ثبوت ملتا ہے۔ ان حضرات کے ہر واقعہ کے متعلق ہر جملہ اور ہر لفظ توضیح و تشریح طلب ہے۔ اگر سب کی وضاحت کی جائے تو کئی مستقل کتابیں ہر واقعہ کی تشریح میں لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر چونکہ اصل واقعات ہی میں قرآن مجید کی طرح اثر بھرا پڑا ہے۔ اور پڑھنے والے اپنی اپنی فکر و نظر کے مطابق ان دقیق نکات کو سمجھ لیتے ہیں جو اہل بیت رسولؐ نے اپنے بلیغ کمالات اور حیرت انگیز اقدامات میں ودیعت کر کے تاریخ کے حوالے کر دیئے ہیں، اس لئے ہر جگہ توضیح عبث بھی ہے۔ مگر پھر بھی بعض بعض مقامات پر دل نہیں مانتا، قلم روک کر جنبش میں لانا ہی پڑتا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ جناب زینبؑ کی کنیز بھی کتنی ایمان و عرفان اور بلند درجہ رکھتی تھی۔ اور مقصد حسینی کی تبلیغ اس نے کس حسن و خوبی سے کی۔ مقصد حسینی یہی تو تھا کہ دین اسلام اپنے صحیح خط و خال کے ساتھ لوگوں کے سامنے آئے اور جنھوں نے اسلام کے واقعی نقشہ کو بدل کر پیش کیا ہے، ان کی اسلام دشمنی نمایاں ہو جائے۔ اب آپ کنیز کے جواب پر غور کیجئے، کنیز نے ابن زیاد کے سوال کا یہ جواب نہیں دیا کہ یہ زینبؑ ہیں اور حسینؑ کی بہن ہیں۔ کیونکہ امام حسینؑ کو تو معاذ اللہ یہ لوگ خارجی اور جارحیت کے الزام کے ساتھ شہرت دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ حقیقت حال کو نہیں جانتے ہوں گے ان کو حسینؑ کا نام سن کر فوراً یہ تصور ہوتا کہ یہ اس کی بہن ہیں جس نے یزید پر خروج کیا۔ اور یزید کو اس قسم کے لوگ تو حق پر سمجھتے ہی تھے۔ اس صورت میں جناب زینبؑ سے ہمدردی کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں پیدا نہ ہوتا۔ کتنی سمجھدار تھی وہ کنیز کہ اس نے اپنی مالکہ حضرت زینبؑ کی محبت میں ابن زیاد کو یوں پہنچوایا کہ یہ فاطمہؑ کی بیٹی ہیں اور فاطمہؑ رسولؐ کی بیٹی ہیں۔ عام مسلمانوں کو یہ سن کر کہ یہ رسولؐ کی نواسی ہے، ہمدردی پیدا ہونا ضروری تھی، اس لئے کہ اب تو حسینؑ کی ذات بھی درمیان میں نہ رہی تھی۔ ابن زیاد نے جب یہ سنا تو اس کو دشمنی تو رسولؐ ہی سے تھی۔ مگر اس جملہ کے اثر سے بھی وہ واقف خوب تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے جواب میں بڑی چالاکی سے گویا لوگوں کے خیالات بدلنے کی روک تھام کی۔ وہ کہنے لگا کہ اس خدا کی حمد ہے جس نے تم کو ذلیل کیا اور قتل کیا اور تمہارے جھوٹ کو ظاہر کیا۔ آپ غور کریں کہ یہ کافروں سے بدتر مسلمان مکاری سے خدا کی حمد، آل رسولؐ کے ذلیل ہونے پر کرتا ہے، اور پھر رسولؐ کی رسالت کو غلط ثابت کرنے کے لئے کہتا ہے کہ خدا نے تمہارے دروغ کو ظاہر کیا۔ کیونکہ آل رسولؐ تو یہی کہتے تھے کہ وہ سچے رسولؐ ہیں ہم ان کے اہلبیتؑ ہی میں سے ہیں جن کو بحکم خدا رسولؐ خدا نے تمام لوگوں کے امام مقرر کیا ہے۔ خدا کی حمد صرف اس وجہ سے کی کہ اصل اسلام بس توحید ہی ہے۔ اگر اس سے بظاہر انکار کیا تو مسلمان بھی نہیں رہتا ہے۔ لہٰذا جاہل مسلمانوں میں اس کی طرف سے اسی وقت سے جذبہ نفرت پیدا ہو جائے گا۔ اور امام حسینؑ کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے کنیز جناب زینبؑ نے اس کے پوچھنے پر یہ نہ کہا کہ حسینؑ کی بہن، علیؑ کی بیٹی ہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ فاطمہ کی بیٹی اور رسولؐ کی نواسی ہیں، تاکہ لوگوں کو جو غلط فہمی امام حسینؑ کی طرف سے پیدا کرا دی گئی ہے یا جو حضرت علیؑ کو خواہ مخواہ بھی صرف ان کی ذاتی وجاہت اور بلند شخصیت کی جہت سے دشمن رکھتے ہیں علیحدہ ہو کر یہ سوچنے کا موقع ملے کہ جس نے مسلمان بنایا، جس نے توحید پرستی سکھائی، جس کو ہم اپنا رسول کہتے ہیں، جس کا کلمہ پڑھتے ہیں، اس کے نواسے کو یزید اور ابن زیاد نے فریب دہی کر کے ہمارے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔

ابن زیاد نے اسی باریک نکتہ کو ان جاہلوں کے ذہنوں میں نہ آنے دیا۔ اور اپنی بے ادبانہ گفتگو کا آغاز حمد خدا سے کیا۔ ورنہ

وہ بھی یزید کی طرح منافق، بت پرست اور لامذہب تھا۔ مگر زینبؑ جنھوں نے اپنے بھائی کے بعد مذہب اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی مہم چلانا شروع کر دی تھی، انھوں نے ہی اس کو جواب دیتے ہوئے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش جاری رکھی کہ امام حسینؑ نے محض اسلام کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے اتنی بڑی قربانی پیش کی ہے۔

چنانچہ ابن زیاد کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں خدا کی حمد کرتی ہوں کہ جس نے ہم کو اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے عزت بخشی اور پاک و پاکیزہ رکھا۔ ہم آل رسولؐ ہمیشہ سے نیک کردار ہیں۔ تم لوگوں کی طرح بدکردار نہیں ہیں۔ ہم ہر نجاست و رجس اور بدی سے پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور ذلیل ہوتا ہے بدکردار اور جھوٹ بولتا ہے بداطوار۔ خدا کی حمد کرتی ہوں کہ ہم لوگ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ پھر جناب زینبؑ نے اپنے جواب میں حضرت سرور کائناتؐ کی رسالت کو ابن زیاد کے سامنے ہی نہیں بلکہ اس کے بھرے دربار کے روبرو پیش کرتے ہوئے بتایا کہ حق کے لئے جان دینے والے ذلیل نہیں ہوتے، نہ انہیں خدا قتل کرتا ہے۔ وہ بڑے نیک لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو قتل کرنے والے ذلیل و بدکردار ہوتے ہیں۔ حسینؑ انہیں نیک لوگوں میں تھے۔ اور تو تیرے ساتھی سب بدنہاد ظالم گناہگار ہیں۔ یہ بالکل کھلا ہوا مطلب جناب زینبؑ کا تھا۔ اس کا جواب یہی تھا کہ ابن زیاد ثابت کرتا کہ وہ خود نیک افراد میں ہے لیکن وہ کہاں ثابت کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی نیکیاں مشہور و مسلم تھیں تو اس موقع پر پھر وہ جواب سے کترا کر اس بے ڈھنگی رفتار پر اپنے کلام کو لے چلا، جس سے عوام الناس دھوکے میں رہ جائیں۔ اس نے کہا کہ زینبؑ تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کے اس جملہ میں بڑی فریب دہی کی قوت تھی جس کو مسلمان کبھی نہ سمجھتے، اگر جناب زینبؑ جواب اپنی روحانی وعرفانی طاقت سے نہ دیتیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے سوائے نیکی اور اچھائی کے کچھ نہیں دیکھا۔ بیشک آل رسولؐ وہ گروہ ہے کہ خداوند عالم نے ان کے مراتب بلند کرنے کے لئے شہادت کا حکم ان کے لئے لکھا تھا۔ ایسی حالت میں آل رسولؐ کو اپنے مقتل اور خوابگاہ کی طرف جانا تھا اور شہادت اختیار کرنا تھی۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آئے گا کہ خدا آل رسولؐ کو مقام سوال و دادخواہی میں لائے گا اور یہ لوگ خدا کے سامنے تم لوگوں کے بارے میں احتجاج کریں گے، اس وقت تو دیکھنا کہ غالب کون ہوا۔ کس نے نجات پائی۔ اومرجانہ کے لڑکے تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔

اللہ اکبر! جناب زینبؑ کا یہ متین و دنداں شکن جواب اور مسئلہ جبر وتفویض کے باطل ہونے پر تیز روشنی ڈالنا اور حسینؑ کا مرضی خداوند عالم کے مطابق دین اسلام کی حفاظت میں قتل ہونے کا ثبوت، سب کچھ اس مختصر جواب میں پیش کر دیا۔

اتنے بڑے دشمن اور بااختیار دشمن کے سامنے یہ زینبؑ ہی کے دل کی طاقت تھی۔ اسی اہم مقصد کی تکمیل کے لئے تو حسینؑ نے زینبؑ کو خصوصی طور سے ساتھ لیا تھا۔ اور زینبؑ بھی یقیناً اسی لئے بھائی کے ہمراہ چلی تھیں جناب زینبؑ کے اس جواب نے ابن زیاد پر وہ کام کیا کہ اگر اس کو سو مرتبہ بھی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے ٹکڑے اڑایا جاتا تو اتنی اس کے دل کو تکلیف نہ ہوتی۔ جواب تو اس جاہل منافق سے بن نہ پڑا کھسیانی بلی کھمبا نوچ نوچ کھائے کی مثل کے مطابق اس کو غصہ آ گیا۔ اور اذیت یا قتل جناب زینبؑ کا ارادہ کیا۔ اس وقت عمر بن حریث موجود تھا۔ جب اس نے ابن زیاد کے ارادہ کا احساس کیا تو وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ اے امیر یہ عورت ہیں اور عورتوں کے کہنے پر مواخذہ نہیں کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ جناب زینبؑ کی طرفداری نہیں تھی، بلکہ ابن زیاد کی اس نے اس وقت جان بچائی اور حکومت کے لڑکھڑاتے پاؤں اس نے مضبوط کئے، ورنہ جناب زینبؑ نے اس کے دربار کا رنگ اپنی تقریر سے بہت کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے اس مصنوعی عذر سے ابن زیاد اپنی بھلائی اس میں سوچ کر قتل کے ارادے سے تو باز رہا، مگر آئے ہوئے طیش اور اپنے

اقتدار میں بٹہ لگنے کا اس کو اس قدر رنج تھا کہ پھر کج بحثی کی ابتدا کردی۔ اور کہنے لگا کہ (معاذ اللہ) تمہارے باغی بھائی اور تمہارے اہلبیت میں سے متمرد شخص کو خدا نے قتل کر کے میرے دل کو شفادی۔ جب اس نے یہ بات کہی تو جناب زینبؑ پر رقت طاری ہوئی۔ آپ رونے لگیں اور فرمایا کہ تو نے ہمارے بزرگ کو قتل کیا، ہماری اصل وفرع کو قطع کیا، اگر تیری شفاء اسی ظلم وستم سے ہوئی تو تو نے شفا پائی اور تعجب ہے مجھ کو اس شخص سے کہ جو اپنے امام کو قتل کر کے شفا پائے، حالانکہ اس کو یقین ہو کہ آخرت میں اس سے انتقام اس کا لیا جائے گا۔ جب اسے اتنا سخت اور مدلّل جواب سن کر کچھ کہتے بن نہ پڑا تو کھسیانا ہو کر کہنے لگا کہ یہ عورت سجاعہ ہے، یعنی شاعرہ ہے۔ اور کہا کہ قسم خدا کی ان کا باپ بھی شاعر تھا۔ جناب زینبؑ نے فرمایا کہ ان مصیبتوں میں نہ میری ایسی حالت ہے اور نہ مجھ کو اتنی فرصت ہے کہ سجع کہوں۔

عباس قمی نے منتہی الآمال کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ بجائے سجاعہ کے شجاعہ ہو۔ جو اس عورت کو کہتے ہیں کہ جو پردل و دلیر وشجاع ہو تو میرے نزدیک جناب زینب سلام اللہ علیہا کی پردلی اتنے بڑے مجمع میں اس بڑے ریچھ کو سرزنش کرنے سے ظاہر ہے۔ اس سے بڑھ کر سرزنش کیا ہوگی کہ حضرت زینبؑ نے اس کو پسر مرجانہ کہہ کر خطاب کیا۔ اور مرجانہ ایک مشہور فاحشہ کنیز تھی۔ اور اسی مطلب کو حضرت امیر المومنینؑ نے میثمؓ سے ان الفاظ میں کہا تھا۔

اے میثم! تم کو ایک بدکار کنیز کا نخیل وزنازادہ لڑکا عبداللہ ابن زیاد گرفتار کرے گا۔

اس کے بعد ابن زیاد کی حضرت سید سجادؑ پر نظر پڑی اور اس نے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ان کا نام علیؑ ہے۔ اور یہ امام حسینؑ کے بیٹے ہیں۔ اس شقی نے کہا کہ کیا وہ علیؑ ابن حسین نہیں تھے جن کو (معاذ اللہ) خداوند عالم نے قتل کیا۔

حضرت سید سجادؑ نے اس کے جواب میں قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھا:

''خداوند عالم نفوس کو موت دیتا ہے جب ان کی موت آجاتی ہے۔''

غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت زین العابدینؑ نے اس موقع پر بھی دین اسلام کے صحیح نظریہ کو اور رسولؐ خدا کی حقیقی تعلیم کو اور قرآن مجید کے محکم قانون کو اس بے دین کی غلط و بے بنیاد رائے کی رد میں پیش کیا۔ وہ بدبخت یہ چاہتا تھا کہ عوام کے ذہنوں پر یہ تصور مسلط کردے، کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ بندہ مجبور ہے تو حسینؑ کو حسینؑ کے قاتلوں نے نہیں قتل کیا۔ بلکہ خدا نے قتل کیا۔ خدا اگر ظلم بھی کرے تو وہ ظلم کرنا اس کے لئے مباح ہے۔ لہٰذا حسینؑ کا کوئی بھی قاتل مجرم نہیں چاہے وہ شمر وخولی ہوں جنھوں نے حسینؑ کی گردن پر خنجر پھیرا، خواہ وہ یزید وابن زیاد ہوں جنھوں نے حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔ کیونکہ بندہ مجبور ہے۔ خدا ہر فعل کرتا ہے بندہ اس کی نقل کرتا ہے۔ تو اب یزید نے جو حکم قتل حسین دیا تو اللہ نے وہ حکم دیا۔ ابن زیاد نے جو حکم قتل دیا تو اللہ نے دیا۔ عمر بن سعد نے حکم قتل حسینؑ دیا تو اللہ نے دیا۔ شمر یا خولی نے جو حسینؑ کو ذبح کیا تو اللہ نے ذبح کیا۔ بیشک عوام کم عقل یا پڑھے لکھے جاہل و بے دین لوگ ایسے دھوکے کھاتے ہیں اور اللہ کی صرف قدرت پر نظر رکھ کر اس کے عادل حقیقی ہونے کو یا تو بالکل سمجھتے ہی نہیں یا جان بوجھ کر نظرانداز کر جاتے ہیں۔ ابن زیاد کا یہ جادو عوام پر تو چل ہی جاتا اگر حسینؑ اپنے مقصد کی تکمیل کی اس مہم کو سر کرنے کے لئے مخدرات عصمت کو اپنے ساتھ نہ لاتے۔ حسینؑ کو تو بحکم خدا نانا کی طرح دین اسلام کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانا تھا۔ اور کہہ سکتا ہوں کہ مرضیٔ خالق کے مطابق ان لوگوں کو اپنے بعد دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے باقی رکھنا خصوصاً علیؑ یعنی امام زین العابدینؑ کو، ورنہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا دیا تھا تو زین العابدینؑ کو بھی حق کی راہ میں فدا کردیتے۔۔۔ اب میں کہوں گا کہ امام زین العابدینؑ نے دین اسلام کو اس کے صحیح خط وخال کے ساتھ اور مقصد شہادت حسینؑ کی تکمیل کے واسطے ابن زیاد کے دربار میں اپنی ناتوانی و بیماری اور

مجبوری و بے کسی اور قیدی ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی آیت کو اس کے جواب میں تلاوت کر کے سمجھا دیا کہ خدا عادل ہے ظالم نہیں۔ خدا کسی کو قتل نہیں کرتا۔ ہاں اس نے ہر ذرہ کی عمر معین کر دی ہے اس وقت اس کے حکم سے اس کو موت آتی ہے۔ لہٰذا حسینؑ کو قتل کیا ہے تو یزید نے قتل کیا ہے، تیری فوج نے قتل کیا ہے، قاتل تو تو ہے۔ ظالم ہے تو تو ہے اور تیرے ساتھی ہیں، تیری فوج ہے، تیرے مطیع ہیں، تیرے حاکم ہیں۔ ابن زیاد قرآن مجید کی آیت کو پڑھنے کا مطلب سمجھ گیا اور وہ سمجھا کہ اگر میں اصرار کروں گا کہ نہیں خدا نے قتل کیا تو جس قرآن کو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لئے کافی ہے، اسی قرآن سے یہ ثابت کریں گے کہ اللہ حسینؑ کا قاتل نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن ہی میں یہ آیت بھی موجود ہے کہ ''جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے۔''

بہرحال مسلمانوں کی اکثریت حسینؑ کو مومن بلکہ کل ایمان کا فرزند اور مومنوں کا پیشوا سمجھتی ہے۔ تو قرآن کی بحث میں تو شکست اٹھانا پڑے گی لہٰذا اس نے علمی مباحثہ کا رخ ہی نہیں اختیار کیا اور دولت و طاقت کے اصول پر اس نے اپنی جباریت وقہاریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے غصہ کا چہرہ بنا کر کہا کہ تجھے یہ جرأت ہوئی کہ مجھ کو جواب دے اور میری بات کو رد کر دے۔ کوئی ہے اس کی گردن مار دے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جب اس کا یہ حکم سنا تو نہایت ہی مضطرو پریشان ہو کر آپ نے بیمار امام کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اپنے مقید و اسیر بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا کہ او ابن زیاد جتنے خون تو نے ہمارے بہائے ہیں کیا وہ تیرے لئے کافی نہیں ہیں۔ خدا کی قسم میں ہرگز ان کی گردن سے ہاتھ نہ نکالوں گی اور جدا نہ ہوں گی جب تک کہ ساتھ ہی تو مجھ کو بھی قتل نہ کر دے۔

یہ دردناک و محبت خیز منظر ایسا تھا کہ بہت دیر تک ابن زیاد جناب زینبؑ و حضرت زین العابدینؑ کو دیکھتا رہا۔ اور پھر کہنے لگا کہ کتنا تعجب خیز ان کا رشتہ قرابت و محبت ہے۔ یقیناً زینبؑ سچ کہتی ہیں اور یہ سید سجادؑ کے ساتھ قتل ہو جانا چاہتی ہیں۔ اچھا اے جلادو! علیؑ سے دستبردار ہو جاؤ۔ ان کے لئے ان کی علالت ہی کافی ہے۔

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے جب بیمار کربلا کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور جناب زینبؑ حضرت زین العابدینؑ سے لپٹ گئی تھیں اور کہا تھا کہ مجھ کو بھی ان کے ساتھ قتل کر ڈال تو اس وقت بیمار کربلا نے اپنی پھوپھی حضرت زینبؑ سے عرض کی کہ اے پھوپھی خاموش رہئے۔ میں خود اس کو جواب دیتا ہوں۔ آپ نے ابن زیاد سے فرمایا کہ تو مجھ کو قتل کرنے کی دھمکی سے ڈراتا ہے۔ مار ڈالا جانا تو ہماری عادت ہے۔ اور شہادت ہمارے واسطے سبب شرف و عزت ہے۔ اسی اثناء میں جناب رباب دختر امراء القیس زوجۂ امام حسینؑ کی نظر امام مظلوم کے سر پر پڑی جو دربار میں ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا تھا۔ جناب ربابؑ نے اس طشت سے امام بیکس کے سر کو اٹھایا۔ اور آغوش میں رکھ کر بوسے دیتی تھیں اور رو رو کے اشعار پڑھتی تھیں۔

یعنی ہائے حسینؑ میں کبھی حسینؑ کو نہ بھولوں گی۔ اور نہ یہ بھولوں گی کہ اولا دزنا نے حسینؑ کے جسم پر نیزے مارے اور نہ یہ بھولوں گی کہ انہیں زنا زادوں نے حسینؑ کی لاش کو زمین پر چھوڑ دیا۔ اے کربلا تجھ کو اللہ نہ سیراب کرے۔ میں حسینؑ کی پیاس کو بھی فراموش نہ کروں گی۔''

راوی کہتا ہے کہ اب ابن زیاد کے حکم سے جناب سید سجادؑ کو اہل بیتؑ کے ساتھ دربار سے باہر لے جا کر مسجد جامع سے ملحق ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔

ابن زیاد اور مسجد جامع

ابن زیاد نے اہل بیتؑ کو جامع مسجد کے ملحقہ مکان میں بطور قیدی بھیج دیا اور خود مسجد جامع میں پہنچ کر منبر پر گیا۔ اور خداوند عالم کی حمد وستائش منافقانہ عادت کے مطابق کی۔ اور اسی پرانے سیاسی انداز پر اپنا مقصد ظاہر کیا۔ یعنی وہ کہنے لگا کہ خدا

نے حق اور اہل حق کو نصرت عنایت کی اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اس کے گروہ کو فتح دی۔ اور خدا نے جھوٹے اور جھوٹے کے بیٹے (حسینؑ) اور اس کے متبعین کو مار ڈالا۔

یہیں تک ابن زیاد نے کہا تھا کہ اس ملعون کو چپ ہو جانا پڑا کیونکہ عبداللہ ابن عفیف جن کا تعلق خاندان ازد سے تھا اور امیر المومنینؑ کے شیعہ تھے، بڑے بزرگ منزلت اور زاہد و عابد تھے، اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ ان کی بائیں آنکھ جنگ جمل میں شہید ہو چکی تھی۔ اور داہنی آنکھ جنگ صفین میں کام آگئی تھی۔ جب سے ان کا معمول و دستور ہو گیا تھا کہ یہ مسجد جامع ہی میں رہا کرتے تھے۔ نماز اور روزے میں بسر کرتے تھے۔ جب انہوں نے ابن زیاد سے یہ بدتمیزی کے جملے اور کلمات کفر سنے تو ان کو تاب نہ رہی کیونکہ یہ ابن زیاد کی حقیقت اور اس کے گنوں سے خوب واقف تھے۔ اور خدا و رسولؐ اور ان کے حقیقی جانشینوں کی معرفت کے بلند درجے پر فائز تھے۔ ان کو ایسے لغو اور بدکاروں کی مادی طاقت سے مرعوب ہونے کی کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ جب ابن زیاد نے محافظ دین و اسلام کی شان میں نازیبا کہا تو انہوں نے اس کی بیہودہ تقریر کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ اور نہایت غیظ و غضب میں ڈانٹ کر کہا کہ او دشمن خدا! تو جھوٹا اور تیرا باپ زیاد بن ابیہ جھوٹا ہے، اور یزید جھوٹا ہے کہ اس نے تجھ کو کوفہ کا امیر بنایا ہے اور یزید کا باپ معاویہ جھوٹا ہے۔ او مرجانہ کے لڑکے! پیغمبرؐ کی اولاد کو مار ڈالا اور منبر کی بلندی جو صدیقین کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہاں تو بیٹھا ہے۔ اور ایسے بول منہ سے نکالتا ہے۔ جب ابن زیاد نے یہ تلخ حقیقت سنی تو اس کی آتش غیظ و غضب بھڑکی اور اس نے بھی چلا کر اپنے ہم مشربوں سے کہا کہ اس مرد کو گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ ابن زیاد کے ملازموں نے فوراً ہی دوڑ کر عبداللہ ابن عفیف کو گرفتار کر لیا۔ عبداللہ ابن عفیف نے اپنے خاندان والوں کو پکارا۔ اور کہا کہ اے میرے جوانوں میری مدد کرو۔ سات سو آدمی قبیلہ ازد کے اکٹھا ہو گئے۔ اور ابن زیاد والوں سے عبداللہ کو چھڑا لیا۔ اس موقع پر ابن زیاد کے آدمی کم تھے۔ مقابلہ کی ان لوگوں سے قوت نہ تھی۔ رات آئی تو اس نے عبداللہ کے مکان پر فوج کو بھیجا اور حکم دیا کہ گرفتار کر کے قتل کر ڈالو۔ جب عبداللہ ابن عفیف قتل کر ڈالے گئے تو ان کی لاش کو مسجد یا زمین شورہ زار میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ رات بھر ان کی لاش سولی پر رہی۔ صبح ہوئی تو دہشت پھیلانے کے لئے امام حسینؑ کے سر مبارک کو کوفہ کی گلیوں میں اور ہر قبیلہ میں اس کے حکم سے پھرایا گیا۔

زید ابن ارقم کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ کے سر کو پھرایا جا رہا تھا تو میں اپنے مکان کی کھڑکی میں بیٹھا تھا۔ جب حضرت کا سر نیزہ پر میرے برابر پہنچا تو میں نے اس آیت کو تلاوت کرتے سنا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحاب الکَهْفِ وَ الرَّقِیم کَانُوا مِن آیاتنا عجبا۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ قسم خدا کی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور میں نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کے سر مقدس کا قصہ تو اصحاب کہف و رقیم سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

روایت میں ہے کہ امام حسینؑ کے قتل کے شکرانہ میں چار مسجدیں بنائی گئی تھیں۔ پہلی مسجد اشقت کے نام موسوم تھی، دوسری مسجد جریر، تیسری مسجد سماک، چوتھی مسجد شیث بن ربعی اور ان مسجدوں کو بنا کر اہل کوفہ بہت خوش تھے۔ (محرم ۱۳۸۷ھ)

✿✿✿